# دراوڑی دور میں تہذیب و ثقافت
# اور
# صنعت و تجارت کا تدریجی ارتقاء

## (۲)

از جناب سید امین الدین صاحب جلالی شاہجہانپوری

<u>دراوڑوں کی سماجی حالت</u> اس عہد قدیم میں انسانی زندگی صحرائیت و بدویت چھوڑ کر مدنیت کے دائرہ میں قدم رکھ رہی تھی اس لئے سماجی کیفیت پر اس وقت کے ماحول کے مطابق نظر ڈالنی چاہیئے ایک قوم اور ایک ہی نسل گر صدہا مختلف تہذیبی ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی۔ علاقائی قبیلہ کا سردار شہری ریاستوں کا حاکم اعلیٰ اور مذہبی پیشوا بھی ہوتا تھا جو عام آبادی سے کچھ فاصلہ پر کسی بلند جگہ پر رہا کرتا تھا اس حاکم اور اس کی کونسل کے فیصلے سرکاری قوانین کا درجہ رکھتے تھے لیکن وہ فیصلے رسم و رواج کی حدود سے باہر نہیں ہوتے تھے اس وقت کی سوسائٹی اس سے ہٹ کر کچھ اور سوچ بھی نہیں سکتی تھی اس قسم کی شہری ریاستوں کی فرماں روائی کی تشبیہ پنچایت راج سے قریب تریں تشبیہ ہو سکتی ہے، یہ اندازہ بھی لگایا گیا ہے کہ پوری ریاست کے سماجی ماحول میں یکسانیت نہ تھی بلکہ ہر شہر و قصبہ کی سماجی کیفیت اور سوشل زندگی قدرے مختلف تھی، یہ فطری طور پر صلح جو اور امن پسند تھے چھوٹی چھوٹی علاقائی ریاستوں میں منقسم ہونے کے باوصف ان کے باہمی تعلقات اکثر و بیشتر خوشگوار رہتے تھے انفرادی طور پر بھی ہمسایوں سے ان کا سلوک اچھا ہی رہتا تھا یہاں تک کہ باہمی جھگڑوں سے بچنے

کے لئے مکانوں کے درمیان کافی فاصلہ رکھا جاتا تھا رقص سرود کا مذاق ان کی گھٹی میں پڑا تھا بلکہ اس کو کسی قدر مذہبی تقدیس بھی حاصل تھی اس فن نے خوش آہنگ ساز بھی ایجاد کرا دئے تھے، قبرستانوں کے نشانات منظر عام پر آنے سے مردوں کو دفن کرنے کا اندازہ لگایا گیا ہے ایرین کا شروع دور بھی اسی کی نشاندہی کرتا ہے، مرد و زن کا لباس مختصر سا ہوتا تھا گھٹنے تک لہنگے کمر پیٹی اور سر پر ڈالنے کے لئے پنکھے کی شکل کی کوئی چیز ہوتی تھی، مرد صرف دھوتی باندھتے تھے ایرین میں دھوتی کا رواج ان سے اختلاط کا نتیجہ کہا جاتا ہے بالوں کے سنوارنے کا عام رواج تھا مردوں کے بال پیچھے نما ہوتے تھے چہروں پر داڑھی ہوتی تھی۔ ایرین میں ان کے اثر سے داڑھی رکھنے کا رواج بڑھ گیا تھا لیکن ان کی مونچھیں بڑی بڑی ہوتی تھیں، پردہ کا رواج نہ تھا۔

عام مجالس، تفریحات، سیر و شکار، اور خصوصاً رقص و سرود میں عورتیں مردوں کے ساتھ شریک ہوتی تھیں، زیورات کے مرد و زن دونوں ہی دلدادہ تھے چونکہ اس سے امارت و شخصیت کا اظہار ہوتا ہے اس لئے شہری اور ریاستی حکام کے لئے زیورات لازمی سے بن گئے تھے، دراوڑی تہذیب اور ماحول کے اثرات کی بنا پر ایرین راجاؤں میں بھی شخصیت و امارت کی نمائش کے لئے زیورات کا استعمال ترقی پر رہا، اور دربار کی شان و شوکت اور امارت و حیثیت قیمتی موتیوں و نادر جواہرات کی مالاؤں اور بھاری بھرکم سونے کے سادہ اور مرصع زیورات سے کی جانے لگی کھدائیوں میں اگرچہ کانسہ کے ظروف بھی ملے ہیں مگر مٹی کے منقش برتنوں کا زیادہ رواج تھا، دعوتوں اور تقاریب میں علاحدہ علاحدہ پتوں پر کھانا پرسا جاتا تھا، باہمی اختلاط کی بنا پر ایرین نے اس رسم اور طریقہ کو ایسا اپنایا کہ آج بھی عوام میں وہی طریقہ مروج ہے مبصرین رسم و رواج کی یہ رائے بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ہند کے بہت سے موجودہ رسوم و رواج دراوڑین کے سماجی رسوم کا مکمل عکس اور چربہ ہیں۔ ابتدائی کھدائیوں میں کسی مکتب و مدرسہ کی عمارت کے نشان نہ ملنے سے اہل قیاس نے اندازہ لگایا ہے کہ تعلیمی سلسلہ گھریلو انداز پر تھا مذہبی پیشوا، شہری ریاستوں کے حاکم اعلیٰ اور اُن کے مشیروں کے لئے زیورِ تعلیم سے آراستہ

---

ؔ عہدِ قدیم مشرق و مغرب

ہونا ضروری تھا۔ طبی آلات کی دستیابی سے مبصرین نے ان کی ایجادی صلاحیت کے ساتھ حفظانِ صحت کی تعلیم کے خصوصی انتظام کا اندازہ قایم کیا ہے۔ ایرین دور میں بھی تقریباً پانچ سو برس تک مدارس کا وجود نظر نہیں آتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے یہاں بھی گھریلو تعلیم کا طریقہ اس تمام عرصہ میں جاری رہا، آزاد زندگی کی بنا پر یہ سیر و شکار اور سیر و تفریح کے بڑے شوقین تھے، جانور لڑانے خصوصاً مرغوں اور تیتروں کی پالی سے خاص دلچسپی تھی، دوسرے جانوروں کی لڑائیوں کا اہتمام بھی میلوں ٹھیلوں کے انداز پر کیا جاتا تھا، پرندے بڑے شوق سے پالتے اور اُن کے پروں کو گوناگوں رنگوں سے رنگتے تھے جوا سماج کی نظر میں معیوب نہ تھا جو چوکور اور مکعبی پانسوں سے کھیلا جاتا تھا، پانسہ کے ہر حصہ پر ایک سے چھ تک نمبر پڑے ہوتے تھے اور ان ہی نمبروں کی اُلٹ پھیر یا ترتیب سے ہار جیت کا فیصلہ ہوتا تھا، گولیاں کھیلنے کا موجودہ رواج اسی دورِ قدیم کی یادگار کہا جاتا ہے، غذا میں ہر قسم کے جانور کا گوشت شامل تھا، مچھلی مرغوب ترین غذا تھی، چھوٹے موٹے شکار کے لئے شکاری کتے پالنے کا عام رواج تھا، نشیلی چیزوں کے استعمال میں مرد و زن برابر کے شریک تھے، شادی بیاہ کا سلسلہ قریبی رشتہ داروں تک محدود نہ تھا اور خاندانی رسم و رواج کے مطابق انجام پاتا تھا، عقد بیوگان معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا جس کے اثرات ابتداءً ایرین میں بھی موجود رہے ہیں، بیک وقت متعدد عورتیں رشتۂ ازدواج میں منسلک رہ سکتی تھیں لیکن دو شادی کا رواج قطعاً نہ تھا، ناپ تول پتھر کے اوزان سے ہوتی تھی۔ سکوں کی عدم موجودگی کے باعث جنس کا باہمی تبادلہ مروج تھا خرید و فروخت، لین دین اور ناپ تول میں یہ فطرتاً بڑے ایماندار تھے، ساتھ ہی صادق القول اور وعدہ کے پختہ بھی، چوری، ڈکیتی اور اغوا کے جرائم شاذ و نادر ہی ہوتے تھے، عورتیں وفاداری اور خدمت گذاری کے جذبہ سے اگرچہ معمور تھیں لیکن سماج میں اُن کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی، عصمت فروشی اور بدچلنی کی سزا دوسرے جرموں کے مقابلہ میں سخت تھی، غرض تمدن کی ابتدائیت پر نظر رکھتے ہوئے ماننا پڑے گا کہ سماج میں اچھائیوں کا عنصر زیادہ تھا اور جو سماجی برائیاں اس قدیم عہد میں موجود تھیں ان سے آج کا سماج بھی محفوظ نہیں بلکہ تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی آسمان رسیدگی نے اُس

میں ایسی راہیں کھول دی ہیں کہ عیوب محاسن اور محاسن عیوب بن گئے اور خیر و شر کا معیار بدلنے سے انسانیت کا شرف و مجد بھی بدل گیا۔

**تمدنی اور معاشرتی تقسیم** | معاشرت نام ہے ملک کے کسی طبقہ یا مختلف طبقات کے عمومی یا خصوصی حالات بود و باش، طرز فکر اور طریق عمل کا، معاشرت مقامی اور علاقائی حد بندی محصور و محدود بھی ہوتی ہے اور بین الملکی بھی اور صرف لسانی اور مذہبی تصورات کے تحت بھی ہو سکتی ہے۔

مبصرانہ نظر رکھنے والے مشاہدین آثار قدیمہ نے دراوڑی تمدن اور معاشرت کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے ماقبل تاریخی دور، نیم تاریخی دور اور تاریخی دور، تامل زبان کی قدیم ترین اور مستند کتاب "تول کا پیم" کے بیان کے مطابق دراوڑوں کے قدیم لاہام سے ہر پانچ بڑے گروہ تھے جنھوں نے اپنی بود و باش کے لئے مختلف میدانی، کوہستانی، مرغزاری، ساحلی اور صحرائی علاقے منتخب کر لئے تھے اور یہ مختلف خطوں اور علاقوں میں آباد گروہ کسی ایک دیوتا کی پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ ضرورت کے اعتبار سے ان کے دیوی دیوتا جداگانہ تھے۔ نیم تاریخی دور میں ہو پہنچتے تک ان کے ذہنی شعور میں کافی پیش رفت ہو چکی تھی اور اسی کے ساتھ تہذیب و تمدن کے قدم بھی آگے بڑھ چکے تھے اس دور میں مختلف گروہوں کی بود و باش کے جداگانہ خطے اور علاقے دکھائی نہیں دیتے بلکہ ایک متحد اور ملی جلی زندگی نظر آتی ہے پھر بھی پیشہ ورانہ تقسیم کا آغاز ہو کر پورا معاشرہ آٹھ طبقات میں منقسم ہو گیا غالباً یہ تقسیم جنوبی ہند میں دراوڑوں کی مضبوط حکومتوں کے قیام سے پہلے کی ہے کیوں کہ اس وقت تک فوجی طبقہ کو کوئی خاص برتری حاصل نہ تھی لیکن جنوبی ہند میں متعدد چھوٹی بڑی حکومتوں کے قیام کے بعد فوجی طبقہ کو رفعت و سربلندی کا درجہ حاصل ہوا عقل و فہم اور ذہنی شعور کے قدم مزید آگے بڑھنے پر دراوڑوں نے تاریخی دور میں قدم رکھا تو یہ پیشہ ورانہ تقسیم آٹھ سے کم ہو کر چار حصوں میں محدود و محصور ہو گئی۔ حکمرانوں کا طبقہ، پوجاریوں کا طبقہ، تاجروں و صناعوں کا طبقہ، زرعی طبقہ۔

اگرچہ یہ تقسیم بھی ذات پات اور حسب و نسب کی بنا پر عمل میں نہیں آئی تھی لیکن اس کے اثرات

کسی قدر فرق کے ساتھ تیج اور نیچ کی شکل میں ضرور نمودار ہوتے پھر بھی آریَن ذات پات کی طبقاتی تقسیم کی طرح اس تقسیم میں علوم و فنون کے حصول میں ذات پات کی بنا پر کسی خاص طبقہ کی اجارہ داری نہ تھی، ہر فرد اس کے حصول میں بالکل آزاد تھا۔ مختصر یہ کہ دراوڑی دور کے "ویلارس" (گلہ بان اور زراعت پیشہ) کو آریَن دور کے شودروں سے کوئی طبقاتی نسبت نہ تھی، بلکہ معاشرہ میں دوسروں کی طرح یہ بھی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے حتیٰ کہ ان کی لڑکیوں کا ازدواجی رشتہ شاہی خاندان کے افراد سے بھی ہو جاتا تھا، فوج کی سپہ سالاری کا منصب اعلیٰ بھی بغیر کسی اکراہ کے ان کے سپرد کیا جا سکتا تھا، اور کسی عمدہ کار گذار اور لائق و منتظم "ویلار" کو "راسو" کا معزز ترین خطاب عطا کر کے کسی صوبہ کا حاکم اعلیٰ بھی بنا دیا جاتا تھا" اگر ذات پات کی بنا پر طبقاتی حد بندی ہوتی تو نہ مذکورہ اعلیٰ عہدے ان کو حاصل ہوتے اور نہ مختلف طبقوں کے درمیان رشتۂ ازدواج قائم ہوتا۔

طرز حکومت | ماقبل تاریخ اور نیم تاریخی دور میں ملک صدہا شہری ریاستوں میں تقسیم ہونے کے باعث جداگانہ طرز حکومت کا حامل تھا یعنی ہر تہذیبی ٹکڑے یا ہر شہری ریاست کا اپنا علاحدہ طرز حکمرانی تھا۔ تہذیبی اور تمدنی مدارج طے کرنے کے بعد تاریخی دور کے دراوڑوں نے ملکی نظم و نسق کی سہولت کے لئے سلطنت کو چھوٹے بڑے حلقوں میں تقسیم کیا تھا۔ سب سے چھوٹا حلقہ گاؤں تک محدود تھا جو تامل علاقوں میں آبادی کے لحاظ سے "پٹی نم" چیری اور کرچی وغیرہ مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا تھا، ہر گاؤں میں ایک سردار ہوتا تھا جو گاؤں کی پنچایت کے صلاح و مشورہ سے باہمی مناقشات کا تصفیہ کیا کرتا تھا، کئی گاؤں کا مجموعہ "کترم" کہلاتا تھا جو ایک اعلیٰ حاکم کے زیر نگرانی ہوتا تھا۔ دراوڑ چوں کہ فطرۃً جمہوریت پسند تھے اس لئے موجودہ دور کی اسمبلیوں اور کونسلوں کی طرح اس حاکم کے صلاح و مشورہ کے لئے سمجھدار افراد کا انتخاب عوام کے ذمہ تھا اور یہ منتخب ممبر باہمی صلاح و مشورہ سے تمام معاملات اور جھگڑے طے کرتے تھے اور کئی "کترم" مل کر ناڈو کہلاتے تھے، ہر "ناڈو" ایک صوبہ دار کے ماتحت ہوتا تھا، یہ صوبہ دار

دوسرے درجہ کا فرماں روا سمجھا جاتا تھا چار یا پانچ صوبیدار مل کر ایک "منڈلم" وجود میں آتا تھا جس پر ایک آزاد و خود مختار تاجدار حکومت کرتا تھا "منڈلم" کے شروع میں حکومت کا نسبتی نام بغرض تعارف لگا ہوتا تھا۔ تفصیلاً یوں سمجھئے کہ جنوبی ہند میں چار بڑی ریاستیں چولا، چیرا، پانڈیا اور ٹونڈائی ناموں سے قائم تھیں ان میں سے ہر "منڈلم" اپنی ریاست کے نسبتی نام سے پکارا جاتا تھا مثلاً "چولا منڈلم" "چیرا منڈلم" "پانڈیہ منڈلم" اور "ٹونڈائی منڈلم" اس اعتبار سے "منڈلم" کا لفظ ریاست یا حکومت کے معنی پر دلالت کرتا ہے[1]۔ موجودہ دور کی پارلیمنٹ اور ہاؤس کی طرح تامل ممالک کی مرکزی حکومت دو مجلسوں پر منقسم تھی مجلس اعلیٰ اور مجلس ادنیٰ، مجلس دل پوجاریوں، طبیبوں، جوتشیوں اور وزراء پر مشتمل تھی، وزراء میں ناظم الامور مذہبی، صدر محاسب، میر عدل، وزیر مالیات اور وزیر امور عامہ ... مؤخر الذکر کو جسے وزیر داخلہ بھی کہہ سکتے ہیں شاہی کیبنٹ میں خاص اہمیت حاصل تھی، دوسری مجلس میں سپہ سالار افواج، فیل سوار فوج کا کمانڈر، اسپ سوار فوج کا کمانڈر، پیادہ فوج کا علمبردار، سفراء، جاسوس، انتظامی عہدہ دار، خزانچی، محافظ ایوان شاہی اور امرائے سلطنت شامل تھے۔ راجہ اگرچہ خود مختار اور غیر مسئول ہوتا تھا لیکن جمہوری روایات زندہ رکھنے کے لئے مذکورہ مجالس کے ممبران سے استشارہ و استفادہ کرتا رہتا تھا، بادشاہ یا راجہ کا منصب اگرچہ موروثی تھا لیکن بعض صورتوں میں انتخاب کے ذریعہ بھی منتخب ہوتا تھا، جب کوئی شاہزادہ یا سردار میدانِ جنگ میں غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کرتا تھا تو امرا و اعیانِ سلطنت باہمی صلاح و مشورہ سے اس کو اپنا راجہ منتخب کر لیتے تھے لیکن ایسا موقع شاذ و نادر ہی پیش آتا تھا، بادشاہ یا راجہ کے ہاتھ میں نہ صرف ملکی انتظام و انصرام کی باگ ڈور رہتی تھی بلکہ مذہبی پیشوائی کا اعلیٰ منصب بھی اس کو حاصل ہوتا تھا، خشک سالی، قحط سالی اور وبائی امراض کے پھیلاؤ کے مواقع پر دیوتاؤں کے

---

[1] عہد قدیم مشرق و مغرب

سامنے بڑی دھوم دھام سے قربانی کی رسم ادا کرنا بھی اسی کے ذمہ تھا، میدان جنگ میں سپہ سالاری کے فرائض بھی اسی کو انجام دینے پڑتے تھے، فوجداری اور دیوانی مقدمات کی آخری اپیل کی وہی سماعت کرتا تھا، بدکردار مجرموں کو سخت ترین سزا دی جاتی تھی، چوری، زنا، جاسوسی بدترین جرائم میں شمار ہوتے تھے جن کی سزا پھانسی کے سوا کچھ نہ تھی۔ قزاقوں، راہزنوں کا سراغ لگانے اور عوام کی اخلاقی حالت کی نگرانی کے لئے محتسب و نگراں مقرر کئے جاتے تھے جو اپنے فرائض کی ادائگی میں بڑے چاق چوبند، دلیر اور مستعد کار ہوتے تھے تاریک راتوں، موسلا دھار بارشوں میں بھی شاہراہوں اور گلی کوچوں میں بدکرداروں اور چور اچکوں کی تلاش میں گشت کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے جرائم کا ارتکاب نہ ہونے کے برابر ہو گیا تھا۔ قوانین جنگ میں رحم و عفو اور درگذر کے اصول کو خاص جگہ حاصل تھی۔ "پوروناٹورو" نامی تصنیف سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مقررہ اصول و ضوابط کی بنا پر جب کوئی راجہ میدان جنگ میں فوج روانہ کرتا تو عبادت گاہوں کو ہاتھ لگانے، گوشہ نشینوں سے تعرض کرنے، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے، غیر مصافی آبادی میں لوٹ کھسوٹ مچانے اور قتل و غارتگری پھیلانے اور شب خون مارنے سے سختی سے منع کر دیتا تھا۔ بلکہ طبل جنگ بجانے سے پہلے مویشیوں کے محافظ، درویشوں، بوڑھوں، ضعیفوں، مریضوں، عورتوں بچوں کو جلد از جلد شہر کی فصیل میں داخل ہو کر پناہ گزیں ہو جانے کے لئے بار بار اعلان کرا دینا بھی ضروری تھا۔ کتاب مذکور کے مصنف کے بیان کے مطابق راجہ کا شجاعت، جرأت، فیاضی، عدل و انصاف اور علم و فضل سے متصف ہونا لازمی تھا۔ ملک کی زرعی، صنعتی اور معدنی پیداوار کی ترقی بھی اس کی ذمہ داری تھی۔ مزارعین سے پیداوار کا چھٹے حصے سے زائد لینا بڑا جرم سمجھا جاتا تھا۔ خزانہ کو بھرا رکھنا اس کے حسن انتظام کی دلیل اور اس کو دور اندیشی سے خرچ کرنا دانشمندانہ فعل متصور ہوتا تھا۔ وزیروں کی صوابدید پر عمل پیرا ہونا اس کے صحت فکر کی دلیل سمجھا جاتا تھا۔ مصنف مذکور کے خیال میں راجہ کی عظمت و بزرگی اس کی فوجی طاقت اور دولت و زر کی فراوانی پر نہیں بلکہ اس کی قوت و طاقت کی اصل بنیاد اس کی نیک روی اور عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ اس لئے حاکم اعلیٰ یا راجہ میں آفتاب کی سی عظمت اور چاند جیسی نرمی اور بارش جیسی کبریائیت ہونی چاہئے۔ تامل ملک کے راجہ کے اوقات شبانہ روزی تین حصوں میں بٹے ہوئے تھے۔ دن کے

بارہ گھنٹوں میں پہلے چار گھنٹے درباری فرائض کی ادائیگی کے لئے مخصوص تھے۔ بعد کو چار گھنٹے محل میں بیوی بچوں کے ساتھ گذارتا تھا۔ اور آخری چار گھنٹے ملکی انتظام وانصرام کی دیکھ بھال یا تدبیر وزیروں اور درباری امراء سے صلاح و مشورہ کے لئے وقف تھے اور وقتِ شب جاسوسوں اور محتسبوں سے ملک اور رعایا کے حالات اور اشیاءِ ضروریہ کے نرخ دریافت کرتا تھا۔

**تعمیراتی فن کاری** | دراوڑوں کا فنی ارتقا کسی خاص علم و فن تک محدود نہ تھا۔ بلکہ اس میں ہمہ گیریت کے اوصاف نمایاں تھے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ ان کی تعمیراتی فن کاری کے سامنے سمیریا اور مصر کے تعمیراتی انجینیرنگ کی بھی کوئی حقیقت نہ تھی۔ کھدائیوں سے بلدیاتی نظام کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ موہنجوداڑو کا بلدیاتی نظام بتاتا ہے کہ یہاں کوئی مہذب و شائستہ قوم ضرور آباد تھی جو اس بلدیاتی نظام کو انتہائی سلیقہ مندی سے چلا رہی تھی۔ تعمیراتی سلسلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلدیاتی نظام کے اصول و ضابطے امیر و غریب سب کے لئے یکساں تھے۔ شاہراہوں پر رکاوٹ ڈالنے والی تعمیرات کی کسی صورت سے بھی اجازت نہ تھی۔ کھدائیوں سے شہری مکانات زیادہ تر پختہ اینٹوں کے دستیاب ہوئے ہیں۔ جن کی لمبائی چوڑائی سے دگنی ہوتی تھی۔ اور چونہ سے استرکاری بھی کی جاتی تھی۔ متعدد منزلوں کے مکانات بھی تعمیر کئے جاتے تھے۔ بالائی منزل پر منقش اینٹیں لگائی جاتی تھیں۔ باہمی جھگڑوں سے بچنے کے لئے مکانات کے درمیان کافی فاصلہ رکھا جاتا تھا۔ لوگوں کی سہولت و آرام کے لئے مختلف مقامات پر حمام کا انتظام بھی بلدیہ کے ذمہ تھا۔ اور شہروں کے شمالی حصے میں تجارتی سامان کے ذخیروں کے لئے گودام وغیرہ بھی تعمیر کرائی تھی۔ شہروں کی حفاظت کے لئے اونچے اونچے مینار بھی تیار کئے جاتے تھے۔ اعلیٰ عہدیداروں اور مذہبی پیشواؤں کے لئے عالیشان عمارتیں تعمیر کی جاتی تھیں[1]۔ تمام تعمیرات میں حفظانِ صحت کے اصول کی پابندی سے اندازہ ہوتا ہے کہ جملہ تعمیرات شعبۂ حفظانِ صحت کے مطابق تعمیر کی جاتی تھیں۔ چنانچہ ہزار سال پرانے آثار دیکھ کر مشہور اطالوی ماہر آثار قدیمہ رابرٹ ایکس نے روم سے شائع ہونے والے ایک سہ ماہی رسالے "ایسٹ اینڈ ویسٹ" میں ہند کے قدیم تعمیراتی ارتقا کے سلسلے میں لکھا ہے کہ

"ہند کے مختلف مقامات سے پتھر اور دھات کے زمانے کے جو تعمیراتی نشانات اب تک منظرِ عام پر آئے ہیں ۔ وہ تعمیراتی منصوبہ بندی کے اعلیٰ صلاحیتوں کے روشن نمونے ہیں ۔ اتنے قدیم زمانے میں تعمیراتی انجینرنگ کے لیے بے مثال نمونے شکل ہی سے کسی اور جگہ نظر آتے ہیں ۔ اس عہد میں جب کہ انسانی شعور میں عام پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی ۔ سلسلۂ تعمیرات میں حقوقِ شہریت اور حفظانِ صحت کا مکمل حجابات سے معلوم ہوتا ہے ۔"[1]

ڈراوڑوں کے ذوقِ تعمیرات نے استرکاری کے لیے مسالے بھی تیار کر لیے تھے کہ دیواریں اور چھتیں مرورِ زمانہ کے باوصف نمی اور تری کے اثر سے محفوظ رہتی تھیں ۔ خیال ہے کہ کوہستان ایڈر کے سنگِ بھاتی کا چونہ چھتوں اور دیواروں پر لگایا جاتا تھا ۔ جس پر مسلسل رگڑنے سے استحکام کے آئینہ کی طرح جلا بھی پیدا ہو جاتی تھی ۔ دہلی کے لال قلعہ میں شاہجہاں نے بھی اسی کی استرکاری کرائی تھی ۔[2] علمی ثبوت کے لیے اگرچہ ڈراوڑی دور کی اب کوئی عمارت باقی نہیں ۔ پھر بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دراوڑ شروع ہی سے فنِ تعمیر سے بخوبی واقف تھے ۔ اور اس وقت کا ہندوستان عمدہ عمارتوں سے بھرا پڑا تھا ۔ رگ وید کے صفحات میں بھی اس دور کے بڑے بڑے شہروں ، مضبوط قلعوں اور عالیشان عمارتوں کی موجودگی کے روشن اشارے ملتے ہیں ۔ ان آباد شہروں کے علاوہ ڈراوڑوں کے حصار دار قلعوں ، زرنگار دروازوں اور ایوانوں کا ذکر بھی ملتا ہے جنہیں نو وارد آریہ تعجب اور رشک کی نظر سے دیکھتے تھے ۔ رامائن میں مدورا شہر کے دروازوں کا اندر جواہر سے مرصع ہونا بیان کیا گیا ہے ۔ حالاتِ قدیم سے دلچسپی رکھنے والے علمائے فکر و تحقیق کا خیال ہے کہ ٹکسیلا ، متھرا ، پیٹھن ، اجین ، نگارا اور دھنیا کٹک وغیرہ شہروں کو ڈراوڑی معماروں نے آریوں کی آمد سے قبل تعمیر کیا تھا ۔ میدھنتر کے مشہور محل کی تعمیر آرین دور کا ایک اہم

---

[1] عہدِ قدیم مشرق و مغرب ۔ [2] تاریخ گجرات از مولانا ابوظفر ندوی

ترین تعمیراتی کارنامہ کہا جاتا ہے۔ جس کے حسن و زیبائش اور زیب و زینت کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ یہ تعمیر انسانی انجینئرنگ کے کمالات کا نمونہ نہیں بلکہ پریوں کے دستِ نازک کی فنکاری کا اعلیٰ نمونہ تھی[1]۔ اور اس تشبیہ کو خواص بھی ایک صحت مند تشبیہ تصور کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت کی تصویر مہا بھارت کے مصنف کے اس اعتراف سے نظروں کے سامنے آجاتی ہے کہ

"یہ مشتر کا حسین ترین محل ایرین کی تعمیراتی فنکاری کا نمونہ نہیں۔ بلکہ ایک ولنوا (ڈراوڑ) معمار کا تعمیراتی شاہکار تھا۔ جس میں اس نے تعمیراتی فنکاری کے جوہروں کی دل کھول کر نمائش کی تھی۔"

سرجان مارشل ڈائرکٹر جنرل آثارِ قدیمہ کے نزدیک بھی ایرین فنِ تعمیرات میں ڈراوڑوں کے زیر بارِ احسان ہیں۔ ایرین حقیقت میں حسن کاری کے رمز سے نابلد اور ناآشنائے محض تھے۔ وہ اپنے خیالات و جذبات کو سنگ تراشی و نقاشی یا رکھائی اور موٹے قلم کی جنبش و حرکت سے ظاہر کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ ڈراوڑوں سے باہمی ارتباط و اختلاط کے بعد ہی وہ اپنے جذبات حسیات کو مادی جامہ پہنانے کے لائق بن سکے۔ اس حقیقت میں دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ تعمیراتی آرائش و زینت کا فطری مذاق خود دستِ فطرت نے ڈراوڑوں میں ودیعت کیا تھا۔ اور ایرین ان کے مذاقِ تزئین اور ذوقِ آرائش کے خوشہ چیں اور منت کش ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلّمہ ہے کہ بوتہ کاری اور نقاشی کا مادہ زمانہ مابعد کے لوگوں کو ڈراوڑوں ہی سے ورثہ میں ملا ہے۔ ڈاکٹر ٹیگور کے بیان کے مطابق ڈراوڑ فنونِ لطیفہ مخصوصاً موسیقی، بوتہ کاری، مجسمہ سازی اور فنِ تعمیرات میں ایرین سے کئی درجہ فوقیت و برتری رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر موصوف نے دوسرے موقع پر لکھا ہے کہ ایرینا کی نازک خیالیوں، گہری فکروں اور ڈراوڑوں کی جذباتی و تخیلی حسن کاریوں کے اختلاط و امتزاج سے جو خوبصورت بچہ پیدا ہوا وہ نہ ایرین تھا اور نہ ڈراوڑ

---

[1] عہدِ قدیم مشرق و مغرب

بلکہ شہرہ آفاق ہندو تھا۔ ڈاکٹر فرگسن کے خیال میں ہند کی قدیم اور عظیم ترین ادبیات تمام تر آریائی ہیں لیکن یہاں کی عظیم الشان عمارتیں ڈراوڑوں کی اعلیٰ اقدار کی یادگار ہیں۔ ہند کی قدیم تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے ڈاکٹر سلیٹر کے نزدیک تاریخی دور کے ڈراوڑی عمارتوں کے جو کھنڈرات کھدائیوں کے ذریعہ منظر عام پر آئے ہیں۔ وہ تزئین وزیبائش اور منبت کاریوں سے مالا مال ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کے اندازے کے مطابق یہ گلکاریاں اور زیبائشی وتزئینی نقاشیاں صدیوں کے تدریجی ارتقا کا نتیجہ ہوں گی۔ تدریجی ارتقا کے الفاظ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ڈراوڑوں نے تاریخی دور سے ماقبل بھی تعمیراتی فن کاری میں دسترس ضرور حاصل کر لی ہوگی۔ آگے چل کر ڈاکٹر موصوف نے لکھا ہے کہ اگرچہ حوادث دوراں نے قدیم ڈراوڑی عمارتوں کے تمام نشان یکسر مٹا دیئے ہیں لیکن ان کی تعمیراتی مہارت اور چابکدستی پر روشنی ڈالنے کی بہت سی بالواسطہ شہادتیں موجود ہیں۔ قدیم ڈراوڑی عمارتوں کی تباہی ماہرین آثارِ قدیمہ کے نزدیک مال مسالہ کی زوال پذیری گرم ومرطوب آب وہوا ملا جلا تخریبی اثر اور کیڑے مکوڑوں کی افراط ہے۔ بہرحال سن عیسوی کی ابتدائی صدیوں تک ڈراوڑوں یا ان کے خالص اخلاف یعنی تاملوں نے جو عظیم الشان تعمیراتی کارنامے انجام دیئے وہ حقیقت میں سنہرے حروف میں لکھے جانے کے مستحق اور لائق ہیں[1]۔

جنوبی ہند کی ایک ترقی یافتہ ڈراوڑی یا تامل ریاست چولا کا اولین فرماں روا "کاری کلا" نام کا گذرا ہے۔ وہ ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ لنکا پر حملہ کر کے ہزاروں اسیرانِ جنگ کو اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ جن کی مدد سے اس نے دریائے کاویری پر تقریباً ایک میل لانبا سنگ بستہ ایک تاریخی بند تعمیر کرایا تھا۔ اور اسی دریا کے دہانے پر ایک عظیم شہر بھی آباد کیا تھا۔ جو اولاً پوہار اور بعد میں "کاویری پٹنم" نام سے موسوم ہوا۔ اس نے اپنا پایہ تخت "یور یور" سے "کاویری پٹنم" میں منتقل کر دیا تھا۔ اور پھر اس نے دار الحکومت کے ساحل پر ایک مستحکم جہازی گودی تعمیر کرا کر

---

[1] تاریخ گجرات از مولانا ابوظفر ندوی

ایک زبردست بندرگاہ بھی بنا دیا تھا۔جہاں متمدن ملکوں کے تجارتی جہاز لنگر انداز ہوتے تھے۔ جس سے ریاست کی بیرونی تجارت میں دسوں گنا اضافہ ہوگیا تھا تجارتی اغراض کی ترقی کے لیے اس نے دوسرے بندرگاہوں اور گودیوں کی تعمیر و ترقی پر بھی بے دریغ روپیہ صرف کیا تھا۔ تامل ممالک میں آبپاشی کے لئے دریائے کاویری، پنار اور پالار سے نہایت وسیع و عریض نہریں بھی اسی راجہ نے نکالی تھیں۔ حتیٰ کہ دریائے پالار کا رخ موڑ کر دوسری سمت کر دیا تھا۔ جس کو اس زمانے کی تعمیراتی انجینیرنگ کا ایک محیر العقول کارنامہ کہا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ دوسرے تعمیراتی کام بھی اس عہدِ قدیم میں کوئی معمولی کام نہ تھے۔ بلکہ انتہائی دانشمندی اور عرق ریزی کا نتیجہ تھے بندرگاہوں سے اندرونی علاقوں کے بڑے بڑے شہروں اور معدنی مقامات تک آمدورفت کی سہولت کیلئے طول طویل سڑکوں کی تعمیر بھی اسی راجہ کی طرف منسوب ہے۔

آج کے مہندسوں اور انجینیروں نے جنوبی ہند کی قدیم عمارتوں کو ڈراوڑوں اور چالوکیہ طرز تعمیر میں تقسیم کیا ہے۔ چالوکیہ عہد سے پیشتر کی تمام عمارتوں کو ڈراوڑی انداز اور وضع کی بتایا ہے۔ چالوکیہ کا تعمیراتی انداز نفاست و نزاکت کے ساتھ منبت کاری پر مشتمل ہے اور ڈراوڑی نمونوں میں نفاست و نزاکت کے استحکام اور رفعت کی نمائش زیادہ ہے۔ غیر ڈراوڑی عمارتیں زیادہ تر میدانوں اور کھلی جگہوں پر تعمیر ہوئی تھیں لیکن ڈراوڑوں کو چونکہ پہاڑوں کے پہلو تراش کر مغاری مقادر بنانے میں خاص ملکہ اور کمال حاصل تھا۔ اس لئے ان کی تعمیرات کا زیادہ حصہ مغاری اور بھاری بھرکم ہے۔ اگرچہ کھلی جگہوں پر بھی کہیں کہیں ڈراوڑی مغادر دستیاب ہوئے ہیں۔ لیکن ان کی یہ خصوصیت یہ ہے کہ وہ ڈھلواں چٹانوں کو تراش کر کے بنائے گئے ہیں۔ جس کے بہترین مثالی نمونے مہابلی پور کے ہفت پگوڈا ہیں۔

ایرینلے ابتدائً ڈراوڑوں ہی سے فنِ تعمیرات میں درس و درک حاصل کیا تھا۔ بعد ازاں بودھ عہد میں یونانی اور ایرانی طرزِ تعمیر کے اثرات قبول کئے۔ یہی وجہ ہے کہ بودھ اور زمانہ مابعد کی تعمیرات میں یونانی اور ایرانی ثروت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ لیکن ڈراوڑی دور کی تعمیرات میں

بدیسی تخیل کا شائبہ تک نہیں۔ تمام تر تخیل ہندی اور صرف ہندی ہے۔ ایلورہ اور اجنتا کی غاری نقاشیاں اور سنگ تراشیاں مختلف ازمنے کے فن کار نقاشوں کی فن کارانہ چابکدستی کا نتیجہ ہیں لیکن اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اس سنگی نقاشی کا بہت کچھ حصہ جنوبی ہند کے تامل نقاشوں کی عرق ریزی اور ان کے کمالِ فن کا آئینہ دار ہیں۔ مہابلی پور کے سات پگوڈا اگرچہ پلاوا خاندان کے عہد میں تعمیر ہوئے لیکن وہ سب کے سب دراوڑی طرزِ تعمیر کی خصوصیات کے حامل ہیں۔ اس لئے انکا شمار بھی ڈراوڑی طرزِ تعمیرات میں کیا گیا ہے۔ دکن کی قدیم آندھرا قوم بھی چونکہ ڈراوڑی نسل سے تعلق رکھتی تھی۔ اس لئے اس کے تعمیرانی انداز کو بھی ڈراوڑی تعمیرات ہی کے سلسلہ کی ایک کڑی سمجھا جاتا ہے۔

بعض مبصرینِ فن، جنوبی ہند کے مدورا اور تنجور کے مخروطی شکل کے منادر میں مصری اہرام کی کچھ مشابہت نظر آتی ہے۔ جس سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آٹھویں صدی قبل مسیح جبکہ جنوبی ہند اور بابل و مصر کے مابین تجارتی روابط بڑھے ہوئے تھے۔ اس وقت ڈراوڑی تاجر مصر سے بعض تعمیراتی انداز دیکھ کر آئے۔ اور اپنی تعمیرات میں ان کا عکس قبول کر لیا۔ لیکن اس خیال کو مشرقی اور مغربی محققین کی اکثریت نے واہمہ سے زیادہ اہمیت نہ دی۔ بلکہ غور کرنے سے حقیقت و اصلیت اس کے خلاف نظر آتی ہے۔ مصر و بابل سے تامل علاقہ کے ڈراوڑوں کے تجارتی روابط مذکورہ سن و سال سے بہت پہلے سے قائم تھے۔ دونوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ تامل دراوڑوں کی پہونچ زیادہ تر مشرقِ وسطیٰ کے علاقوں تک محدود رہی۔ اور مصر کے مقابلہ میں دجلہ اور فرات کی زرخیز وادی میں ابھرنے والی قبائلی حکومتوں سے یہ تعلقات زیادہ تھے۔ اور ان قبائلی حکومتوں کے انفرادی اور اجتماعی تجارتی بیڑے بھی جنوبی ہند کی بندرگاہوں میں لنگر انداز ہو کر لایا ہوا سامانِ تجارت اتارتے اور یہاں کا خام و پختہ مال بار کر کے مشرقِ وسطیٰ کے علاقوں اور مصر تک پہنچاتے تھے۔ مصر میں ہندی سامانِ تجارت زیادہ تر فینشین عربوں اور خود مصری تاجروں کے ذریعہ پہنچا کرتا تھا۔ اور خود ڈراوڑی تاجروں کی

مصر تک پہنچ شاذ و نادر ہی بھی جا سکتی ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اس شاذ و نادر پہونچے اور مصری تاجروں کی آمد اور مختصر قیام سے تابل ممالک کے ڈراوڑی معماروں نے ایسے صحیح نقشے ان سے حاصل کر لیے کہ اپنے مخروطی شکل کے منادر میں مصری اہراموں کا عکس اتار لیا۔ دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ آنے والے تاجروں میں تعمیراتی فن کاروں کی شمولیت کا آج تک کسی ایک نے بھی ذکر نہ کیا۔

**زراعت وباغبانی اور صنعت وتجارت** | زراعت وباغبانی وغیرہ کے اعتبار سے بھی ڈراوڑی عہد کو بہت کچھ ترقی پذیر اور ایجادی دور کہا جا سکتا ہے۔ مختلف النوع پھلوں میں نیبو کی پیداوار اور خربوزے کی کاشت کثرت سے تھی۔ پنجاب، سندھ، کاٹھیاواڑ، اور گجرات وغیرہ کے ڈراوڑ شروع ہی سے تجارت پیشہ تھے۔ ان کے تجارتی قافلے برابر ہمسایہ شہری ریاستوں کے لئے ضروری اشیا، صرف برآمد کرتے تھے۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ ان علاقوں کی زرعی پیداوار ایران اور دوسرے علاقوں تک پہونچتی رہی ہو۔

دھان کی ابتدائی کاشت کے متعلق بردوان کی تحقیقی رپورٹ اور مغربی بنگال کی حالیہ کھدائیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں چاول کی اولین کاشت صوبہ بنگال کی وادی اجے باگرٹ میں ہوئی۔ سنہ ۱۹۵۰ء کی کھدائیوں کے دوران آبادی کی انتہائی نچلی سطح سے کاربونائزڈ، دھانوں کے ایسے پودے دستیاب ہوئے ہیں جن کا رنگ کھورا یا زرد و سُرخ ہے۔ تحقیقات کے مرکزی ادارہ کے ماہروں نے اس کی جانچ پڑتال کے بعد یہ انکشاف کیا ہے کہ یہ دریافت شدہ چیز دنیا کے اس انتہائی عہدِ قدیم کی یادگار ہے جس کا اب تک پتہ چل سکا ہے۔ حال ہی میں روسی علاقہ ازبکستان میں اس کے کچھ اعلیٰ نمونے دستیاب ہوئے ہیں۔ روسی ماہر آثار قدیمہ ایم سین نے دسمبر ۱۹۶۳ء میں تاشقند میں اسوقت کے ہندی سفیر ٹی۔ این کول کو ان کی دستیابی کی اطلاع دیتے ہوئے ان کی قدامت پانچ ہزار قبل مسیح بتائی ہے۔ اس کے ساتھ ماہرِ موصوف نے یہ انکشاف بھی کیا کہ ازبکستان میں چاول کا بیج اسی دور

کے لئے بھگ چینی کے بجائے وادی سندھ سے پہنچا۔ اس سلسلہ میں ماہنامہ "اسکول سائنس" کے فاضل مقالہ نگار نے جو کچھ سپرد قلم کیا ہے اس کی تلخیص یہ ہے کہ

"ہند میں اس کی کاشت انسانی تاریخ کی طرح قدیم ہے۔ ہند کی قدیم ترین تحریروں شاستروں اور ویدوں وغیرہ میں بھی اس کی کاشت کا ذکر ملتا ہے۔ اترپردیش کے مشہور ترین تاریخی مقام ہستناپور کی کھدائیوں کے درمیان قدیم ترین نمونے کاربونائزڈ دھانوں کی شکل کے دستیاب ہوئے ہیں۔ ان کی قدامت ایک ہزار قبل مسیح بتائی گئی ہے۔ لیکن حقیقت میں اس کی کاشت چار ہزار قبل مسیح بیان کی گئی ہے۔ جب کہ دنیا اس کے نام سے بھی واقف نہ تھی۔ یونانیوں سے پہلے عربوں کو اس کا علم ہوا اور مغرب کے بعض علاقوں میں اُن عرب تاجروں کے ذریعہ یہ روشناس ہوا جو ہند کے ساحل پر تجارتی لین دین کی غرض سے آتے جاتے رہتے تھے۔"

نیشکر اور شکر | ایکھ کی کاشت گڑ اور شکر سازی کا آغاز بھی بڑی اور پرانی دور کی بات ہے۔ پروفیسر گنگلسن نے اپنی مشہور تصنیف "دنیا کی شکر سازی" میں اس کی ابتدائی پیداوار کے متعلق بڑی تحقیق سے لکھا ہے کہ

"یہ میٹھا درخت سب سے پہلے ہندوستان کے مقدس دریائے گنگا کے ساحل پر پایا گیا تھا اور اس کا بیج اور طریقہ کاشت بھی ہندوستان ہی سے دنیا کے اکثر حصوں میں پہونچا اور ہندی دیو مالا میں گنے کو کام دیو کی کمان کہا گیا ہے۔"

ہند کی قدیم ترین طبی کتابوں اور اتھرو وید میں اس کا ذکر موجود ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ایرین سے پہلے گنا سرزمین ہند میں موجود تھا۔ ہند کی بہت سی چیزیں بودھ بھکشوؤں کے ذریعہ جنوب مشرقی ایشیا خصوصاً چین خاص تک پہنچیں لیکن ایکھ کا پودا ان سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے سرزمین چین پہونچ چکا تھا۔ چونکہ اہالیان چین گڑ اور شکر سازی کے فن سے ناواقف تھے اس لئے حضرت مسیح سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے چینی تاریخ کے مشہور شہنشاہ تائی لنگ نے ایک وفد شکر سازی کی معلومات حاصل کرنے کے لئے ہندوستان بھیجا تھا جو یہاں سے پوری معلومات حاصل کرکے واپس ہوا تھا۔ جاوا وغیرہ کا علاقہ آج شکر پیدا کرنے میں

---

۱ عہد قدیم مشرق و مغرب

مشہور ہے لیکن ہند کے محکمۂ خوراک و زراعت کی طرف سے جنوری ۱۹۴۷ء میں جو اطلاع نامہ اس سلسلہ میں شائع ہوا ہے۔ اس میں گنے کو ہند کا ایسا قدیم ترین تحفہ بیان کیا گیا ہے جو تمام دنیا کو ہندوستان کی طرف سے ملا ہے۔ دنیا کے اکثر حصوں خصوصاً عرب کے مختلف علاقوں میں شکر تیار ہوتی تھی لیکن گنے سے نہیں کھجور سے، اور عرب تاجروں کے ذریعہ مصر کے راستہ یورپ تک پہونچا کرتی تھی۔ بعد کو ہند کی صاف ستھری شکر بھی انہی عربوں کی معرفت مغرب میں پہونچنے لگی تھی جس نے اپنی صفائی اور رنگ ذائقوں کی خوبی کی بنا پر عربی شکر کو مغرب کے بازاروں سے باہر نکال دیا تھا۔ یورپ گنے کے نام اور شکل وصورت سے قطعاً ناواقف تھا۔ چنانچہ تین سو تائیس قبل مسیح سکندری فوجوں نے ایکھ کا درخت، اور اس کے رس سے گڑ اور شکر تیار ہوتے دیکھ کر بڑے تعجب کا اظہار کیا تھا اور اپنی ناواقفیت کی بنا پر سکندر کے سپاہی شکر کو میٹھا نمک یا ہندی نمک کہتے تھے۔ انہوں نے ایک اور نام ایکھ کا شہد بھی رکھ چھوڑا تھا۔ یونانیوں کے قدیم نوشتہ جات میں تحریر ہے کہ ہند کا یہ وہ درخت ہے جو مکھیوں کے بغیر شہد پیدا کرتا ہے۔ اہل روما کا بھی شکر اور نیشکر کے بارے میں کچھ اسی سے ملتا جلتا خیال تھا۔ ان ریکارڈوں کے علاوہ پروفیسر گنگسن کی بھی یہی تحقیق ہے کہ سکندر اعظم ہند سے واپسی پر گنے کے پودے اور طریقۂ کاشت یورپ لے گیا تھا۔ اس کی پہونچ کے بعد یورپ میں اس کی کاشت شروع ہوئی۔ اور یورپ سے امریکہ وغیرہ پہنچا۔ اور خصوصاً کیوبا، برازیل اور دوسرے ممالک میں اس کی کاشت کافی ترقی کر گئی۔

(باقی)

---

# گذارش

خریداری برہان یا ندوۃ المصنفین کی ممبری کے سلسلے میں خط وکتابت کرتے یا منی آرڈر کوپن پر برہان کی چٹ کے نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولیں تاکہ تعمیل ارشاد میں تاخیر نہ ہو۔ (منیجر)